'انتقاد' کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

انتقاد

دیوانِ شاہ نیازؒ، مرتبہ شفیق بریلوی برائے تنظیم خدام سلسلۂ عالیہ نیازیہ، ٹی - ۴۸/۲، پی ای سی ایچ سوسائٹی، کراچی - ۲۹۔ صفحات ۲۵۰۔ قیمت چھ روپے۔

تنظیم خدام سلسلۂ عالیہ نیازیہ کراچی مبارکباد کی مستحق ہے کہ اُس نے بڑی نفاست کے ساتھ اور دیدہ زیبی کے سلیقے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت شاہ نیاز احمد صاحب علوی بریلوی قدس سرہ العزیز کا گراں بہا مجموعۂ کلام شائع کر دیا۔ یہ ایک نہایت اہم قومی و دینی متاع تھی جو خدا کا شکر ہے کہ جناب شفیق بریلوی کی توجہ سے منظرِ عام پر آگئی۔

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب در اصل بریلوی نہیں، سرہندی تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ خاکِ پاکِ سرہند کی جس عظمت کا آغاز حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ظہور سے ہوا تھا اُس کے خاتم حضرت صاحب موصوف تھے۔ آپ وہاں ۱۷۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت شاہ عظمت اللہ علویؒ اندی جان کے سلطان حضرت شاہ آیت اللہ علوی کے پوتے تھے جنہوں نے حضرت ابو بن ادہمؒ کی طرح تختِ سلطنت پر لات مار کر فقیری اختیار فرمائی تھی۔ گویا تصوف آپ کے خمیر میں تھا اور پھر جب آپ کے والدِ ماجد نے آپ کو دہلی لے جا کر حضرت مولانا شاہ فخر الدین محمد کے آغوشِ تربیت میں دے دیا تو گویا سونے پر سہاگہ ہو گیا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرح حضرت شاہ نیازؒ بھی علوم ظاہری و باطنی کے منتہی تھے۔ چنانچہ آپ نے کچھ عرصہ مولانا فخر کے مدرسے میں درس دیا۔ آپ کے اُس زمانے کے شاگردوں میں اُردو کے مشہور شاعر مصحفی بھی تھے۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی کے برعکس حضرت شاہ نیاز وحدتِ وجودی کے علمبردار تھے اور اس میں وہ اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ اُن میں اور منصور حلاج میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ فرماتے ہیں ؎

سلطانِ بے نیازم گو صورتِ نیازم — لشتاسیم کہ چونم عنقائے قافِ قدسم!

حضرت صاحب نے اُردو اور فارسی کے علاوہ ہندی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ایک غزل عربی میں بھی ہے۔

اُن کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے تصوّف برائے شعر گفتن خوب است سے کام نہیں لیا۔ اُردو اور فارسی کے شعراء کی غزلوں میں شکایتِ زمانہ اور جورِ معشوق کے علاوہ کچھ شعر صوفیانہ قسم کے بھی ہُوا کرتے ہیں۔ یہ متصوفانہ شعر چونکہ وارداتِ قلب سے غیر متعلق ہوتے ہیں اس لئے ان میں لفظوں کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن حضرتِ شاہ نیاز چونکہ ایک بلند مرتبہ، صاحبِ حال بزرگ تھے، اس لئے اُن کے اشعار میں رسمیت نام کو بھی نہیں ہے۔ حضرت خواجہ میر دردؔ کی طرح اُن کے ہاں بھی محسوسات کی نقاشی کی گئی ہے بلکہ حضرت شاہ نیاز صاحب کے ہاں یہ رنگ اور بھی چوکھا ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اُن کے پورے مجموعے میں میر دردؔ کے برعکس شاید ہی کوئی شعر ایسا مل سکے جس کی مجازی تعبیر کی جا سکتی ہو۔ اُن کا دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ اُن کا سارے کا سارا کلام ایک ایسی سرمستی سے لبریز ہے جس کی مثالیں کم از کم اُردو شعراء کے ہاں ملنا مشکل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت شاہ صاحب پہ کوئی خاص روحانی کیفیت طاری ہوتی تھی تو اُن کی زبانِ مبارک پر شعر جاری ہو جاتے تھے۔ اسی لئے ان کے ہاں بلا کی روانی ہے جسے اُن کے فلسفۂ وجودیت نے اور زیادہ تند و تیز بنا دیا ہے۔ مثلاً ؎

ملکِ خُدا میں یار و آباد ہیں تو ہم ہیں
تعمیرِ دو جہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں
دیکھا پرکھ پرکھ کر آخر نظر چڑھا یہ
گر نقد ہیں تو ہم ہیں نقاد ہیں تو ہم ہیں

مختصر یہ کہ اُن کی طبعِ وقّاد نے اسی رنگ میں گیارہ شعر ارشاد فرمائے ہیں۔ ہندی میں بھی یہی عالم ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

جوگنیا کا بھیس بنا کر پی کو ڈھونڈن جاؤں
نگری نگری دوارے دوارے پی پی سبد سناؤں
درس بھکاری جگ میں ہو کے درشن بھچھیا پاؤں
تن من اوپر واروں تب میں نیازؔ کہاؤں

(عبدالرحمٰن خان)